یہ مجھے بہت بعد میں ان دونوں امتحانوں سے گزر کر پختگی کی عمر کو پہنچ کر سمجھ میں آیا کہ انسان کو دراصل ایک مسئلہ ہر وقت درپیش رہتا ہے اور وہ ہے روح کی آزادی۔ جو مسئلہ بھی روح کو جکڑے وہ انسان کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ یہاں آ کر آج کی پود اور پچھلی پود کے نظریۂ حیات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ بوڑھائی پود ہر وقت بولتا رہتا ہے یا پھر اپنے عہد کی عافیت کا نقشہ کھینچتا رہتا ہے۔ یہ بولنا نصیحت کرنا بالکل بے کار رہتا ہے کیونکہ جسم کے آزاد ہونے کے خواب دیکھتی ہے اور بوڑھے کو روح کی آزادی درکار ہوتی ہے۔ بوڑھے بھی غلط اور نوجوان بھی سر پھرے۔

اب نوجوان اپنی سوچ کو اس قدر سیکولر بنا چکے ہیں کہ وہ اب سمجھنے لگے ہیں کہ مذہب کا انسان کی زندگی میں رکاوٹ کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ جو مذہب سے پیار کرتا ہے وہ ساری عمر کسی بڈھے کی طرح دروازے ہی بند کرتا ہے۔ کھڑکیوں میں چٹخنیاں اور گیٹ پر تالے ہی لگاتا رہتا ہے۔ وہ تازہ ہوا سے واقف نہیں ہوتا!

نوجوان پود کو یہ معلوم نہیں کہ اگر واقعی روح کی آزادی مطلوب ہو تو مذہب کی کشتی درکار ہوتی ہے۔ یہ ہونیلی ہوئیلی ہوا اس میں شک و گمان کے سوراخ نہیں ہونا چاہئیں۔ اگر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر کھلے آسمان سے رابطہ ہے تو کسی ایک راستے کا انتخاب ضروری ہو گا۔ جو لوگ بار بار پگڈنڈی کشتی یا مسلک بدلتے رہتے ہیں ان کو آزادی محسن نہیں رہتی..... اگر آپ کو روح کی آزادی چاہیے اور دنیاوی منفعت کے لیے جان کھپا دیں تو بھی مذہب مایوس کرتا رہے گا۔ اگر آپ ساری عمر دوسروں کی کشتیوں پر تبصرا لگا کر ریس کا تماشہ دیکھتے رہے تو آپ کو علم ہونا چاہیے کی ساری جدوجہد اس کاشت قربانیاں اور پروالا دیکھتا ہے اور بالآخر وہی آزادی کی نعمت بطور تلافی عطا کرنے والا.....

آزادی انعام ہے..... حق نہیں.....

آزادی منزل ہے..... راستہ نہیں.....

آزادی سکون طمانیت اور شکر کا مقام ہے..... متلاطم کیفیت کا نہیں.....

479ء میں ہمارے ہاں ریڈیو آرٹسٹ محمد حسین باقاعدگی سے آیا کرتے تھے۔ آپ محمد حسین کے بخوبی واقف ہوں گے۔ یہی وہ آرٹسٹ ہیں جنہوں نے بڑی شہرت پائی۔ تراڑکھیل میں جب ایک ٹرک میں رضائی کر اندر مائیکروفون لگا کر خاں صاحب پروگرام "ہم آ گئے" کیا کرتے تھے اس وقت بھائی محمد حسین ایک معاون تھے۔ ان کے ساتھ دوسری آواز ایک آرٹسٹ تاج صاحب کی ہوا کرتی تھی جو بڑی بھاری کھرج میں بولا کرتے تھے۔ یہ پروگرام کشمیر کی آزادی کے حوالے سے غالباً پہلا پروگرام تھا۔ اُدھر بھارت سے پروگرام نشر ہوتا۔ ادھر ساتھ ساتھ اشفاق صاحب اُس کا جواب لکھتے جاتے اور پھر دھڑلے کی آواز میں اشفاق صاحب للکارتے۔

"ہم آ گئے.....!"

اس پروگرام کے ختم ہونے پر خاں صاحب لاہور آ گئے۔ ریڈیو پر ان کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ سچ پوچھو تو ڈائیلاگ لکھنا بھائی محمد حسین نے خاں صاحب کو سکھایا' جن سے بعد میں یہ علم میں نے ایسے جذب کیا جیسے سیاہی چوس

ب کرتا ہے۔

بھائی قدیر ریڈیو پر Recordist تھے۔ وہ اپنے کام کے ماہر تھے اور بڑی خاموشی' دیانت داری سے پروگرام ریکارڈ کرتے تھے۔ بعدازاں جب تلقین شاہ جاری ہوا تو اس کی ریکارڈنگ بھی ان ہی کی ذمہ داری ٹھہری۔

بھائی محمد حسین' قدیر ملک اور میری والدہ جب بھی وہ ملتان سے آتیں' مل کر تاش کھیلا کرتے اور اس سے گھر میں عجیب قسم کی رونق آ جاتی۔ گھر کا باسیوں سے عجب رشتہ ہوتا ہے۔ کھلے کھیتوں میں رہنے والا' کشادہ گھروں میں پلنے والے' بازاروں سے ملحق گھروں میں ہر لحظہ شور کے عادی' گلیوں کے باسی' سکولوں کی ہمسائیگی میں رہنے والے بچوں کے شہزادے شہزادیاں غرضیکہ تمام لوگوں پر ان کے ضمنی اور زمینی ماحول کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ وہ ساری عمر اسے نہ طرح خود سمجھ سکتے ہیں نہ کسی کو سمجھا ہی سکتے ہیں۔ لیکن رگوں میں دوڑنے پھرنے کی طرح یہ ماحول ہم میں رواں رہتا ہے۔

479۔ این ہمارے پہلے گھر یعنی 455۔ این سے کشادہ اور مقابلتاً بڑا خوبصورت تھا۔ اس کی دائیں سڑک اس کے سے ٹیوب ویل کے پاس سے ہو کر گزرتی تھی۔ یہی سڑک دوسری جانب یعنی مین بازار سے ہو کر گولائی اختیار کرتی یہ سڑک بھی بائیں جانب کو مڑ جاتی۔ عین ان دونوں سڑکوں کے سنگم پر 479۔ این واقع تھا۔ اس گھر کے عین کے عقب میں ایک بہت بڑی گراؤنڈ تھی جسے سب ڈونگی گراؤنڈ کہتے تھے جس میں بارش میں ستانے اور دھوپ سے بچنے کے لیے ایک بارہ دری تھی جسے میرے بیٹے بانڈرادری کہا کرتے تھے۔

ہمارا کوٹھی نما گھر مین سڑک پر واقع تھا۔ ہمارے گھر سے آگے دائیں ہاتھ جمیل صاحب رہتے تھے جو گاڑیوں کی شاپ چلاتے تھے۔ پھر یہ سڑک سیدھی چودھری کالونی کی طرف جا نکلتی تھی' جہاں میرے بھائی نے شادی کے بعد کرایہ پر گھر لیا تھا۔

گھر کے آگے ایک معمولی سا گیٹ تھا' جس کی گلی سیدھی صحن کی طرف جاتی۔ اندر کشادہ صحن میں بائیں ہاتھ ایک چھوٹا سا غسلخانہ اور متصل ٹائلٹ تھا۔ جب نظامی صاحب ریڈیو سٹیشن سے ریٹائر ہو گئے تو انہوں نے ہمیں بہت سے گملے تحفے بھیجے جن سے پچھلا صحن اور سامنے والا برآمدہ آراستہ کر لیا گیا۔

پھاٹک کے سامنے قریباً پانچ فٹ اونچی دیوار تھی۔ آسانی سے اندر جھانکنا ممکن نہ تھا۔ یہیں پر برآمدہ تھا۔ جب داستان گو' رسالہ بند ہو گیا تو ہماری پرنٹنگ مشین جسے محمد علی چلایا کرتا تھا' اسی برآمدے میں لا کر دھر دی گئی۔ برآمدے کے دروازے کھلتے تھے۔ ایک تو ٹاور نما گولائی لیے کمرہ تھا جسے ہم نے ڈرائنگ روم بنا لیا اور جس میں نانا کی تاش پارٹی جمتی تھی۔

جالی کا دوسرا دروازہ ہمارے نانا کے بیڈروم میں کھلتا تھا۔ اس کے آتش دان کے اوپر فون دھرا تھا جو ہماری نئی نئی لگا تھا۔ جب کبھی مہمان آتے تو اس کمرے میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا' میرے دونوں بچے بڑے آرام سے اس آتش دان کے نیچے بیٹھ کر باتیں سنتے رہتے۔ نعیم طاہر ان دنوں سائیکل پر ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ ابھی تک انہیں ان بچوں کا آتش دان میں بیٹھنا نہیں بھولا۔

اس کمرے سے ایک ہی دروازہ ایک اور کمرے میں کھلتا تھا جسے ہم نے کھانے کا کمرہ بنا رکھا تھا۔
خوبصورت میز اور کرسیاں تھیں۔ یہ میز کرسیاں اس لیے خوبصورت تھیں کہ انہیں ٹیک وڈ سے بنوایا تھا' آسٹریلیا
پہلے وہ یہ میز اور سائیڈ بورڈ ہمیں دے گئے۔ ایک خوبصورت سائیڈ بورڈ کے علاوہ یہاں اور کسی فرنیچر کی گنجائش نہ
اس کمرے میں بائیں ہاتھ کی دیوار میں ایک بڑی پُر اسرار الماری تھی جس کے دونوں تختوں پر کوئی
یہ الماری خاص الخاص خاں صاحب کی کھل جا سم سم تھی۔ اس میں سب سے اوپر والے تختے میں خاں صاحب
ریزگاری چھپا کر رکھتے تھے۔ ضروری خط اور رسیدیں' چیک بک اور یادداشتیں بھی یہیں ہی ہوتیں۔ میں
الماری کو کھول کر نہیں دیکھا' لیکن جب واصف اور سارہ (اسحاق بھائی کے بچے) ہمارے پاس آئے تو پھر یہ
آئس کریم' گول گپے چنے' بتاشے والے خوانچہ فروشوں سے خریدنے کے لیے یہاں ہاتھ صاف کر لیا کرتے تھے
نہیں تھی میرے سامنے یہ کام ہوتا تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ ضرورت بھر ریزگاری ہی لیں گے اور امیر ہو جانے کے بعد
کی ان خواہشوں کا احترام مجھے ایسا برا بھی نہ لگتا تھا۔

اس کمرے سے پھر ایک چھوٹا سا برآمدہ تھا جو صحن سے ملحق تھا۔ اس برآمدے کے آخر میں ایک غسل
ہماری ضرورت کے لیے بہت بڑا تھا۔ کھانے والے کمرے سے ایک دروازہ عین الماری کے سامنے بیڈ روم میں
اس بیڈ روم کی ایک لمبی کھڑکی گلی میں کھلتی تھی اور پچھلی جانب ایک دروازہ کھل کر ایک گپت قسم کے غسلخانے میں
یہاں سے اوپر گولائی میں سیڑھیاں اوپر چھت کی طرف چڑھتی تھیں' جب ہم یہاں شفٹ ہوئے تو رضائیوں والے
ٹرنک کے لیے ان ہی سیڑھیوں پر چھت پر پہنچنے سے پہلے جگہ بنائی گئی۔ سردیوں میں نانا یا سلطان ملازم اوپر چھت
سینکنے کے لیے چلے جاتے۔ ڈونگی گراؤنڈ کا ایک مالی میرے لیے پھولوں کے گلدستے کبھی کبھار لایا کرتا تھا اور اسی
مالی نے قریباً کیلے ہی یہ بیل اوپر چڑھائی تھی۔

پچھلے صحن والے غسلخانے میں ایک گولائی میں سیڑھیاں اوپر نیم چھتی کو چڑھتی تھیں۔ اوپر دو کمرے
میں خاں صاحب کی لائبریری تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اشفاق صاحب کی کتابیں ان کی زندگی میں بڑا اہم رول
رہیں۔ جب 101۔ مزنگ روڈ میں تھے تو کتابیں ان کے اوپر والے کمرے میں رہتی تھیں۔ وہ بوریا بستر اٹھا جب
میں چلا! 455۔ این میں مقیم ہوئے تو ان کتابوں کو الماریاں ملیں اور یہ کچھ ڈرائنگ روم کی زینت بن گئیں اور کچھ بیڈ
الماریوں میں سجا دی گئیں۔

جب ہم 479۔ این میں آ گئے تو ایک بار پھر ان کتابوں کو اچھا بسیرا نہ مل سکا۔ دو تین الماریاں تو پہلے کمرے
لگ گئیں لیکن باقی نیم چھتی کے دوسرے کمرے میں تہہ در تہہ لگا کر رکھ دی گئیں۔
اس نیم چھتی میں ہمارا پہلا رہائشی مہمان عکسی مفتی آیا!
عکسی مفتی لاہور میں ایم اے سائیکالوجی کرنے آیا تھا۔ وہ کسی قسم کے آراستہ کمرے کا خواہش مند نہ تھا۔
مفتی اور عکسی مفتی میں خوشبو سونگھنے کی قوت ہے۔ وہ انسان کی نیت تک اسی خوبی کی وجہ سے پہنچ جاتے ہیں۔
صحن سے عین سامنے برآمدے سے ملحق ہمارا باورچی خانہ تھا۔ چھوٹا سا اور اس کے ساتھ ایک الماری تھی

ف کھلنے والی ایک جالی دار کھڑکی جس میں دودھ وغیرہ ابال کر بڑے اہتمام سے رکھا جاتا۔ بعد میں جب ہم
ے ہمارے پاس تیل کا چولہا بھی آ گیا۔ لیکن ابھی لکڑیوں کی آگ جلا کر میں روٹیاں پکاتی سینکتی اور جب روٹی
ہو جاتی تو مجھے ایسی خوشی ہوتی جیسے اب افسانہ ختم کر کے ہوتی ہے۔

ں چولہے سے کوئی ایک فٹ دور ایک چھوٹی سی میز بھی تھی جس کے آگے تین چار ڈگڈگی نما چھوٹے
ے تھے۔ ان مونڈھوں پر عکسی مفتی ہمارے ساتھ بیٹھ کر سادہ سادہ کھانے کھاتا اور بے تحاشا تعریف کرتا۔

عکسی مفتی نے آتے ہی اثیر بیٹے کو اپنی جاگیر بنا لیا۔ وہ اسے نہ اثیر پکارتا نہ شیری۔ اس نے اپنا ہی نام اختراع
نے کے کمرے کے آخری دروازے پر کھڑا ہو کر وہ پکارتا ''چیری..... چیری..... چیری.....''

اثیر خاں نے ابھی مشکل سے چلنا سیکھا تھا لیکن اپنے گوڈ فادر کی آواز سن کر جہاں بھی ہوتا بھاگ نکلتا اور اپنا ہی
چیری..... چیری پکارتا رہتا۔ عکسی اسے ایک دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ اٹھا لیتا اور اپنی نیم چھتی میں لے جاتا۔ مجھے
رونے کی آواز بھی اوپر والے کمروں سے نہ آئی۔ جب کبھی عکسی گھر نہ بھی ہوتا تو بھی کبھی چیری اسے تلاش کرنے
ی اوپر جا نکلتا اور پھر اسے سلطان اٹھا کر نیچے لاتا۔

سلطان اور رحمت دو بہن بھائی تھے جو کہیں سے ہمارے گھر آ گئے تھے۔ رحمت جو بمشکل تمام بارہ سال کی ہوگی،
چھوٹی تھی اور باورچی خانے میں میرا ہاتھ بٹاتی تھی۔ بچپن میں اسے شاید پولیو ہوا ہوگا' کیونکہ اس کی ایک ٹانگ
تھی۔ رحمت تو وہ ایک سال بعد کام چھوڑ گئی لیکن سلطان نے اثیر خاں کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا۔ وہ اسے
بٹھا کر بھائیوں کے ساتھ ڈونگی گراؤنڈ میں لے جاتا۔

عکسی مفتی شروع سے زندگی کے اصل معنی تلاش کرنے میں مگن تھا۔ ابھی اس کی یہ خواہش ناپختہ تھی اور وہ
پانیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ اس تلاش کی ایک مبہم سی شکل اس کے دوست تھے جن میں صادق ایک اہم
تھی۔ وہ اپنے تین دوستوں کو لے کر کالج سے آتا۔ برآمدے سے ملحق ڈرائنگ روم میں ایک گول میز رکھی
پر شیشے کا گلاس رکھا جاتا۔ چاروں دوست پوری توجہ حیرت اور مجسم سوال بن کر گلاس پر انگلیاں رکھتے۔

عکسی کہتا:

Any soul passing by kindly enter the glass move it.

حیرانی کی بات ہے۔ دو تین مرتبہ جب عکسی یہ التجا کرچکتا تو گلاس لرزنے لگتا اور چلنے لگتا۔ اب سوالات کیے
ور عکسی ہر سوال کے بعد پوچھتا: ''اگر اس سوال کا جواب ہاں میں ہے تو گلاس میں آئی روح آپ ہاں تک چلی
اور اگر آپ کا جواب انکار میں ہے تو نو پر چلی جائیں.....''

گلاس کھٹا کھٹ پھٹا پھٹ جواب دینے لگتا۔ روح سے دنیاوی' دینی' روحانی کئی قسم کے سوال پے در پے پوچھے
ے۔ خاں صاحب اور مجھے کبھی اس مشغلے میں شامل ہونے کا موقع نہ ملا۔ لیکن ہمیں معلوم تھا کہ عکسی دوستوں کی سنگت
میں بلاتا ہے اور اس کے اس مشغلے سے ہماری زندگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا' اس لیے ہم حارج نہ ہوئے۔

بہت بعد کی بات ہے کہ ان دوستوں میں سے صادق اسلام آباد میں کمیونسٹ تحریک میں مورد الزام ٹھہرا۔

مارشل لا کا زمانہ تھا۔ تحقیق کم اور گرفت زیادہ تھی۔ صادق کو گرفتار کرلیا گیا۔ پھر بہت بعد میں صادق کو لاہور کی جی... دیا گیا۔ یہاں سے اس کے خط میرے نام آیا کرتے تھے۔ پھر یکدم ایک دن خبر ملی کہ صادق کو کسی قیدی نے... کردیا..... کچھ لوگوں کو قید میں بھی راستہ مل جایا کرتا تھا۔ غالباً راستے کی تلاش کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ایک اور شخصیت کا ذکر بھی کردوں اور وہ کیپٹن یوسف ہیں۔ ان کا ذکر... صاحب کیا کرتے تھے۔ کیپٹن یوسف سے ایک دو مرتبہ میں اسلام آباد میں ملی تھی۔ انہوں نے ایک مرتبہ شہاب ... سے کہا..... ''آج سے آپ میرے ابو ہیں۔''

شہاب صاحب نے بڑی شائستگی سے انکار میں سر ہلایا اور بولے: ''سوری یوسف! میں صرف ناق... ہوں۔ آپ کو یہ اعزاز قبول نہیں کرسکتا.....؟''

کیپٹن یوسف کو اس کے بعد مذہب کا جنون ہوگیا۔ وہ منبر پر چڑھ کر مائیکروفون کا سہارا لے کر تقریریں... لگے۔ کچھ لوگوں کے اعتقادات مجروح ہوگئے۔ یہ لوگ بھی بڑے تھے لیکن سیاسی اعتبار سے طاقتور بھی تھے۔ انہ... یوسف سے بدلہ لیا اور اسے ہتھکڑی لگوا کر جیل میں ڈال دیا۔ جب تک خاں صاحب سلامت رہے ان کا یوسف سے... تھا یا نہیں تھا مجھے اس کی خبر نہیں..... لیکن ان کے جانے کے بعد مجھے یوسف کے خط آنے لگے۔ ان خطوں میں کچھ... بھی تھے یاس کی جھلکیاں بھی تھیں اور اندھیرے سے روشنی کی طرف آنے کی خواہش بھی تھی..... پتہ نہیں یہ یوسف کی... کے نتیجے میں ہوا کہ قدرت کو اس کی رہائی مقصود تھی..... ایک روز یوسف کو ساتھی قیدی نے قتل کردیا! یوں صادق اور... نے جیل سے رہائی پائی۔

میں نے کبھی ممتاز مفتی کی طرح سچ بولنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ مفتی جی اور میں عموماً گھنٹوں اس بات پر بحث... تھے۔ وہ سچ کے داعی تھے۔ مجھے دل رکھنے کی بیماری تھی۔ عام قاری کے لیے سچ بڑی پُرلطف چیز ہے۔ وہ ایسی کہانی... پسند کرتے ہیں جس میں لکھاری اپنے گندے کپڑے آپ کے سامنے دھوئے۔ جب ''علی پور کا ایلی'' مسودے کی ش... ہمارے پاس آیا اور ''داستان گو'' کو اسے چھاپنے کا اعزاز ملا تو مفتی جی سے میرا ایک ہی جھگڑا تھا۔

میں کہتی..... مفتی جی! اگر آپ شہزاد کے کردار کو سچ کی مورت بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں تو کیا یہ پورا سچ آ... بہادری بچوں کی بزدلی کا باعث نہیں بن جائے گی۔ آپ عکسی کے لیے اپنی بیٹیوں کے لیے کئی Complexes ... میں چھوڑ جائیں گے۔ میرا خیال ہے کوئی شخص بھی پورا سچ بولنے پر قادر نہیں کیونکہ ہر انسان کا علم الّا قلیلا ہے۔ کوئی شخص... دوسرے کے متعلق تو کیا خود اپنے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔

میں سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ چونکہ ہمارے اندر گندا اور صاف لہو اکٹھا رواں دواں ہے... کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ یہ دونوں لہو قلب میں مل نہیں پاتے۔ سنا ہے ایسے ہی جنت میں دو دریا جاری ہیں جو ایک... دوسرے کے ساتھ ساتھ بہتے ہیں۔ پر ان میں ایک قدرتی آڑ ہے۔ گویا اس دوئی یا تضاد نے انسان کی ساری زندگی ... الجھاؤ کے حوالے کردیا ہے۔ وہ مکمل طور پر فرشتہ بن جائے یہ ممکن نہیں، مجسم ابلیس بن کر اترائے اور تکبر کی صورت زندگی... کرے یہ بھی یقینی نہیں۔ اللہ نے اسے آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ اگر ہدایت کا رخواستگار ہوا تو بدی کا سفر نیکی میں منتقل ہوجا...

اسے کفر سے چھٹکارا حاصل نہ کرنا چاہے تو بھی فیصلہ اس کا صرف اپنا ہے۔ غیبی طاقت اسے تبدیلی پر آمادہ تو کر سکتی ہے لیکن تھانیداری نہیں کر سکتی۔

میں ایک بار پھر عرض کرنا چاہوں گی کہ میری کتاب سچ کی دعوے دار نہیں۔ میں نے سائنسی طریقہ کار کی طرح Proof طریقہ استعمال نہیں کیا۔ تخلیقی عمل کا تعلق ذہن سے کم اور قلب سے زیادہ ہے۔ یہاں تخیل، احساسات، Premonitions، پیش گوئیاں، تحت الواقعہ معنی، ذومعنی، ابہام پسند Interpretations اہم ہیں۔ یہاں معجزاتی واقعات صرف یقینِ محکم کا حصہ ہوا کرتے ہیں ہلکہ ان کا انتظار لازمی اور زیادہ قرین قیاس ہوتا ہے۔

اسی لیے جو کچھ میں خاں صاحب کے بارے میں بیان کروں گی کسی سلسلہ وار یا تاریخ وار ہسٹری کی ضامن نہیں بلکہ میری مجبوری ہے۔ میرے پاس جو مائیکروسکوپ ہے اس میں سے ذرات اسی طرح دیکھے جا سکتے ہیں۔

جب میں نے بہت بعد میں 121۔سی میں "مردِ ابریشم" لکھی تو ممتاز مفتی اور میرے درمیان ایک محاذ قائم ہو گیا۔ کتاب کا پہلا نسخہ مفتی جی کو بھیجا جس کے جواب میں فون پر بات ہوئی۔ مفتی جی بولے: "کاکی! تو نے بڑی کچی کتاب شہاب کے بارے میں لکھی؟"

"کیوں مفتی جی کیا کیا میں نے؟"

"میں لاہور آ رہا ہوں۔ آ کر بتاؤں گا؟ یاد رکھ ایسی من من کن کن سے نہ لکھنے والے کا کچھ فائدہ ہوتا ہے نہ اس شخص کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔"

مفتی جی کے آنے تک میں نے بڑے تذبذب میں دن گزارے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں نے کہاں غلطی کی۔ مفتی جی آئے بڑی محبت سے بسرام کیا۔ جب خاں صاحب روانہ ہو گئے تو ہم دونوں محاذ آرائی میں مشغول ہو گئے۔

"اوئے کاکی! تو بڑی لکھاری ہے لیکن اتنی جھوٹی ہے مجھے معلوم نہیں تھا۔"

"میں نے کیا جھوٹ لکھا مفتی جی؟"

"تو ہم سب سے زیادہ شہاب کو جانتی ہے.... وہ تیرے گھر میں آتا جاتا رہا تو نے اسے بہت قریب سے دیکھا۔"

"پھر؟"

"تو جانتی ہے کہ اس کا روحانی دنیا میں کیا درجہ تھا۔ وہ قطب تھا، ابدال تھا، ولی تھا۔ تجھے اچھی طرح سے معلوم ہے پھر تو نے ساری کتاب میں کہیں ایک جگہ اپنے آپ کو Commit نہیں کیا۔ کیا یہ بددیانتی نہیں ہے، قلمی بددیانتی؟"

"مفتی جی! میں شہاب صاحب کی اس جہت کو نہیں جانتی جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں جلیے۔ تو نہیں جانتی تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ صرف تجھے بھی ایک بیماری ہو گئی۔ اپنے شوہر پُروقار High and mighty کی طرح تجھے بھی وہم ہو گیا ہے کہ تجھ سے بڑا کوئی نہیں۔"

میں ہکا بکا رہ گئی۔ میں نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن مجھے معلوم تھا کہ جس وقت مفتی جی کی باڑ چڑھی ہو وہ کسی کی نہیں سنتے۔

''بول بول..... بول..... جانتی ہے نا کہ جھوٹی کتاب لکھی ہے اس لیے چپ ہے۔ سچا آدمی اپنے آپ کے حوالے نہیں کرتا..... سچا آدمی بولتا ہے اور گج وج کے بولتا ہے۔''

''مفتی جی! آپ مانیں گے نہیں۔ لیکن میں نے شہاب بھائی کو قرآن سے سمجھا۔ وہ جب جب بھی یہاں ٹھہرے ہمیشہ خاں صاحب کے ساتھ دفتر چلے گئے اور واپسی پر اپنے کمرے میں مقید ہو گئے۔ اگر کبھی گھر پر ہوتے بچوں کی سنگت میں ملے۔ سب سے زیادہ انہوں نے اثیر کے ساتھ وقت گزارا۔ وہ حالات میں نے قلم بند کر دیے سارے۔''

''بالکل ٹھیک..... اب سچی بات منہ پر آئی۔ تو نے شہاب کا نام لے کر اپنی فیملی کو Build کرنے کا جتن کیا ہے۔ اپنے ناخن کاٹنے والے شوہر کو ان کا خلیفہ بنا دیا۔ اثیر ڈرائیور کو نہ جانے کیوں یوں ظاہر کیا' گویا وہی ایک لاہور میں پرسانِ حال تھا..... شہاب بیچارے کا کچھ ذکر نہیں..... ساری شاعرانہ تعلّی ہے شیخی ہے۔ یہ کتاب تو نے اپنے آپ کو Build کرنے اور اپنے گھر والوں کی ہوا باندھنے کے لیے لکھی ہے۔''

سچی بات ہے مفتی جی جیسے خاکے کسی نے اردو ادب میں نہیں لکھے۔ شہاب صاحب کہا کرتے تھے کہ مفتی جنت کے مجذوب ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کا یہی وصف انہیں دنیائے ادب میں بھی معرکے کا مقام دے گیا لیکن کروں آری کی طرح چلنے والا' تیر کی مانند کھب جانے والا' تین اور تیرہ کے درمیان کوتوال کی طرح الف کھڑا سچ مجھ سے ہضم نہیں جاتا۔ مجھے موم بتی کی روشنی میں' کھڑکی میں سے در آنے والی چاندنی' ٹارچ سے چابیاں تلاش کرتے تالا کھولتے کمرے کا منظر دیکھنا پسند ہے۔

جب عکسی ہمارے پاس تھا تو مفتی جی اسلام آباد سے ہمیں ملنے آیا کرتے تھے۔ میں نے انہیں کبھی عکسی سے خصوصی محبت کرتے نہیں دیکھا۔ وہ خاں صاحب اور مجھ میں مشغول رہتے۔ ہر مرتبہ جب وہ آتے تو ان کے ساتھ تازہ بھونی ہوئی مونگ پھلیاں ہوتیں۔ ان میں سے ایک دانہ بھی کبھی ممتاز مفتی نے منہ لگایا نہ عکسی نے کھایا۔ میں بوری اپنے بیڈروم میں محفوظ کر لیتی اور پھر خاں صاحب ان کے دوست اور میں اس سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔

مفتی جی کا بسیرا ابھی اوپر نیم چھتی میں ہوا کرتا تھا اور مفتی جی چونکہ مفتی جی تھے اور محبت کرنے والی روح انہیں روزِ اول سے ملی تھی اس لیے انہوں نے بہت جلد اس اصول کو اپنا لیا کہ ہر ایک کے دل میں جگہ بنانے کے لیے اینٹ اور گارے سے محبت کرنا گزیرہے۔ یہ دونوں بچے مفتی جی کے پاس اوپر نیم چھتی میں گھس رہتے' جہاں ممتاز مفتی اپنے کاغذ پھیلا کر ''علی پور کا ایلی'' لکھتے رہے۔ وقت پر نیچے آ جاتے باورچی خانے میں اپنا موڑھا لیتے' بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ گویا کی بھوک ہو۔ ہر نوالے پر داد دیے چلے جاتے۔

مفتی جی اپنی جلو میں ہمارے لیے ایک تحفہ مرزا جی لے کر آئے۔ یہ وہی مرزا جی ہیں جن کا ذکر ''سفرِ درسفر'' میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ چھوٹے قد کے مرزا جی بڑے مزیدار آدمی تھے۔ ان کو سمجھنے کے لیے مزاح کی حس' قوتِ سماعت اور آہستہ روی کی ضرورت تھی۔ وہ اپنے پرانے قصے بڑا لطف لے لے کے سناتے' خاص کر وہ واقعہ جب وہ بنگال میں انگریزوں کی فوج میں ٹھیکیدار تھے۔ باقی چھوٹی موٹی بے ایمانیاں تو ایک طرف' ایک مرتبہ انہوں نے باربردار ہاتھیوں کی پوری ٹیم

نہوں نے کرنیل کو قائل کرلیا کہ ہاتھی کہیں جنگل میں غائب ہو گئے ہیں اور اب ان کی تلاش بے کار ہے۔

نیز مرزا کو کھانا پکانے کا بھی بہت شوق تھا۔ مفتی جی اور عکسی تو صرف کھانا کھانے آتے تھے لیکن مرزا جی کبھی کبھی چکھتے۔ نئے نسخے بھی بتاتے۔ رنگ برنگے مصالحہ جات کا اضافہ بھی کرنے کو کہتے۔

"یار تو اس میں تھوڑا سا زیرہ اور ادرک بھی پیس کر ڈال دینا۔ چنے کی دال کا ذائقہ اچھا ہو جائے گا۔ ثابت مرچ بھی ساتھ۔"

"تیرے پاس کلونجی ہے کلونجی..... اور اجوائن؟"

"ہاں جی..... دیکھتی ہوں مرزا جی....."

"دیکھ کیا لیتی ہے تجھے پتہ نہیں.....؟" وہ قدرے ناخوش ہو کر کہتے۔

"جی کبھی ضرورت نہیں پڑی....."

"اوئے اشفاق سارا دن بیٹھا رہتا ہے۔ میں اس کے لیے بڑی اعلیٰ معجون بنا دوں گا۔ تیجی بھر ناشتے کے بعد کھا لے تو بھوک وغیرہ سب خارج....."

"اچھا جی....."

"لا..... مجھے پیسے دے۔ میں فاروقی کی دکان سے سودا دیکھ کر لاتا ہوں....."

جب میں انہیں پیسے پکڑاتی تو وہ کسمسا کر کہتے..... "اوئے کڑیے! یہ تو تھوڑے ہیں۔ چل اچھا میں گزارہ کر لوں گا۔"

"ہوں" ان کا تکیہ کلام تھا۔ جو کچھ نہ ہو سکتا اس پر وہ "ہوں" کہہ کر خاموش ہو جاتے۔ جو کچھ سمجھ میں نہ آتا اس پر "ہوں" کہہ کر پردہ پوشی کر لیتے۔ جہاں سے محبت کی آرزو ہوتی اور محبت نہ مل پاتی تو وہ "ہوں" کہہ کر صبر کر لیتے۔ ان کا مجموعی فلسفہ حیات 'ہوں' تھا۔ لیکن کبھی کبھی ہوں سے نکل کر وہ یکدم اکڑ بھی جاتے اور اپنی بات منوا کر رہتے۔

جب حجام آ جاتا تو مرزا جی چودھری بن جاتے۔

"اوئے چلو میں حجامتیں بنواؤں گا تمہاری..... لوکی۔ کیسی چلو....."

خان صاحب کچھ ڈرتے ڈرتے کہتے "ناں یار تو کھچل نہ کر..... میں کروا لیتا ہوں۔"

"تو پڑھ بیٹھ کر پڑھا کر..... حجامت میں کراؤں گا۔ مجھے معلوم ہے خلیفے کتنے ظالم بے حس ہوتے ہیں۔ کھڑا ہو کر کٹواؤں گا....."

بچے جو حجامت کے نام پر بدکتے تھے پتہ نہیں کیوں مرزا جی کی معیت میں بال کٹوانے کو کھیل تماشا سمجھتے۔

"کوئی نیا تولیہ لا کاکی..... یہ تو گندا ہے۔"

"دھل جائے گا مرزا جی..... بال ہی تو کٹوانے ہیں۔"

"اور گندا تولیہ ڈال دوں..... ان کے کندھوں پر؟"

"اب مجھے ایک مگ اور ڈیٹول لا کر دے۔"

میں سمجھتی تھی کہ ڈیٹول صرف وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی زخم میں پیپ پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

"ڈیٹول کیا کرنی ہے مرزا جی؟"

"کیا کرنی ہے.....؟ بے نا جھلی۔ میں خلیفے کا استرا' قینچی' سارے اوزار ڈیٹول میں بھگو کر خود صاف کروں۔ پتہ نہیں کن کم بختوں کی حجامتیں بناتا آیا ہے۔ ایویں بچے بیمار کرنے ہیں۔"

اس کے بعد وہ بڑے اہتمام سے تولیہ' ڈیٹول مگ مع بچگان لے کر باہر والے برآمدے کے سامنے دونوں بچوں کو باری باری کرسی پر کھڑا کر کے کسی پولیس آپریشن کی طرح حجامت کرواتے۔ اس کے بعد سارے بال بھی جمع کرواتے اور میرے پاس لے کر آتے۔ "دھی! ان بالوں کو ایک تھیلی میں ڈال دے۔ میں خود جا کر نہر میں بہاؤں گا۔ تھیلی نہ ہو تو کوئی خاکی لفافہ دے۔"

"آپ فکر نہ کریں میں احتیاط سے کوڑے میں پھینک دوں گی۔"

"بے نا پاگل اوئے بالوں پر تو ٹونے ہوتے ہیں۔ لوگ تو ٹوہ میں رہتے ہیں۔"

غرضیکہ ایک حجامت یوں کروائی جاتی ہے جیسے کوئی بڑا پراجیکٹ ہو.....

مرزا جی کو ہم دونوں سے بڑی محبت تھی لیکن اس کا اظہار انہوں نے کبھی برملا نہ کیا۔

کبھی کبھی جب ہم سب صحن میں بیٹھے مفتی جی والی مونگ پھلیاں کھا رہے ہوتے تو مرزا جی کہتے ..... "تیری بیوی کھری ہے کھری..... تو اس کی قدر کیا کر اشفاق۔"

"کھری سے آپ کی کیا مراد ہے مرزا جی؟"

"یار میں نے بڑی عورتیں ہنڈائی ہیں۔ میں عورت کو اس کی آنکھ سے پہچانتا ہوں۔ تیری بیوی کی آنکھ مرد کے لیے لالچی نہیں۔ یہ کھری عورت کی نشانی ہے۔ اس کی آنکھ میلی نہیں ہوتی۔ بڑا خوش نصیب ہے تو اشفاق! تجھے پتہ ہے بہانے بہانے میں یہ مرد کو کیسے ورغلا لیتی ہیں۔ ایک آنکھ کے اشارے سے بیچارا مرد الٹ بازی کھا جاتا ہے....."

مفتی جی چلے گئے۔

مرزا جی اگلے جہان سدھارے۔

مفتی جی اپنا نعم البدل عکسی کی صورت میں چھوڑ گئے۔

لیکن مرزا جی بھی اپنی نشانی چھوڑنے میں پیچھے نہیں رہے۔

مرزا جی اپنا بھانجا ڈاکٹر عاطف مرزا ہماری خدمت کے لیے دے گئے۔

جب خان صاحب 2002ء میں بیمار رہنے لگے اور انہیں باقاعدہ ڈاکٹروں کی حاجت رہنے لگی تو ڈاکٹر عاطف نے سر نکالا۔ ہائی نون لیبارٹریز میں ڈاکٹر صاحب غالباً کوالٹی کنٹرول کے چیف تھے۔ انہوں نے اپنا تعارف مرزا جی کے حوالے سے کروایا۔ پھر باقاعدگی سے خان صاحب کو دیکھنے آتے رہتے۔ انہیں اصرار ہوتا کہ اپنا بریف کیس اور سٹیتھو سکوپ وہ خود اٹھائیں گے۔

خان صاحب کے چلے جانے کے بعد انہوں نے اپنی ذمہ داری کو اور شدت سے محسوس کیا اور مجھے بھی

نے لگے۔ بلڈ پریشر چیک کرنے کے بعد عموماً ان کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری اور تشویش ابھر آتی....کبھی
خالاتے' کبھی نسخے لکھ کر دے جاتے۔ ان کی شکل پر تشویش دیکھ کر بات ٹالنے کی غرض سے میں
عاطف! آپ کی وائف بھی تو ڈاکٹر ہیں۔ وہ آج کل کیا کرتی ہیں؟''

''وہ جی آج کل قرآن پڑھاتی ہیں۔ الدعوۃ سے انہوں نے فرحت ہاشمی صاحب کا کورس کرلیا ہے۔''

''یعنی ڈاکٹری چھوڑ دی۔''

''اندرون شہر نوکری ملی تھی....جاتی تھیں لیکن بہت دور جانا پڑتا تھا۔ بس' چھوڑ دیا۔''

عاطف مرزا کا گھرانہ مذہب کی طرف مائل ہے اور میں ایک نتیجے پر پہنچی ہوں کہ وہ داستان سرائے میں ایک
کسی بنا پر کھنچے چلے آتے ہیں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کے متعلق جو رائے قائم کرتے
ہیں وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہوتی۔ ہمارا علم ہر مقام پر ان فلیا کا شکار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر عاطف بھی خان صاحب کی
سے یہ قیافہ لگا چکے تھے کہ شاید ہمارے گھرانے کو مذہب کی پختگی اور عمل ویسے ہی نصیب ہو گیا ہے جیسے عاطف کی
کو میسر ہے۔ ڈاکٹر غریب کو معلوم نہیں کہ ہم تو سراغ رساں' کھوجی کھورے ہیں' جنہیں تلاش تو رہتی ہے لیکن بہت کم
کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

لیکن اس گھر میں ہم تک جمیلہ ہاشمی کیسے پہنچیں' یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔

جمیلہ ہاشمی تب اتنی بڑی ادیبہ نہ تھی۔ اس کی تخلیقی روح بڑی جاندار تھی لیکن ابھی ادب کا راستہ متعین نہ ہوا
تھا۔ نے مجھے کیسے خبر ہوئی یا جمیلہ نے مجھے فون کیا یا پھر کسی طور پر مجھے پتہ چلا کہ جمیلہ بہت بیمار ہے اور وہ مجھ سے ملنا
چاہتی ہے۔

ان دنوں سائرہ ہاشمی کمن آباد میں رہتی تھی۔ مین بازار کی سڑک جہاں گول دائرے پر ختم ہوتی ہے اس سے کچھ
پہلے سائرہ کا گھر تھا۔ جونہی مجھے جمیلہ کا پیغام ملا' میں بھاگم بھاگ سائرہ کے گھر پہنچی۔ جمیلہ بڑی دلبرداشتہ' پریشان ایک
نما چارپائی پر عجب کسمپرسی کے عالم میں لیٹی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''میں بہت بیمار رہوں قدسیہ۔''

''پھر چلو میں ڈاکٹر کو دکھالاؤں....'' میں نے فوراً مشورہ دیا۔

''نہیں....میں ڈاکٹر کو دکھا چکی ہوں۔ وہ میری بیماری کا علاج آپریشن بتاتے ہیں۔''

''تو کرالو ناں آپریشن۔ کیا حرج ہے؟''

ہر احمق آدمی کی طرح میں نے بن مانگے مشورہ دیا۔

''اوئے نہیں بابا....اگر آپریشن ہو گیا تو پھر میرے گھر بچہ کیسے ہوگا....میرے میاں گدی نشین ہیں۔ ان گنت
ہیں۔ وہ کیا ہوں گی؟''

مجھے معلوم نہ تھا کہ جمیلہ سردار محمد صاحب گدی نشین کی اہلیہ ہے اور اتنی لمبی چوڑی زمینوں کی مالک ہے۔

''اچھا تو پھر کیا کریں..... علاج کے بغیر تو جمیلہ کام مشکل ہے۔''

جمیلہ کہنی کے بل ہوگئی اور پُر اُمید لہجے میں بولی..... ''میں نے سنا ہے کہ اشفاق کا کوئی ہومیو پیتھک واقف ہے۔ تم میرا علاج اس سے کروادو۔''

واقعی مین بازار میں فاروقی کی دکان کے پاس ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے۔ ہم بھی وقت بے وقت ان علاج کرواتے رہتے تھے۔

''چلو نزائی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شام کو خاں صاحب آئیں تو تمہیں لے چلوں گی۔''

''نہیں بھئی تم مجھے ابھی لے چلو..... اسی وقت۔ پھر موقع ملے نہ ملے۔''

میں کچھ حیران سی ہوگئی۔

''بھائی میرے پاس گاڑی نہیں ہے۔ کیسے لے چلوں؟''

''دیکھو تم مجھے اپنے گھر لے چلو قدسیہ..... اس وقت سائرہ گھر پر نہیں ہے۔ وہ آ گئی تو پھر موقع نہیں ملے اسی وقت۔''

میں نے آپ کو بتایا ہے کہ میری طبیعت میں عجلت بھی ہے اور ناسمجھی بھی۔ میں بغیر سوچے سمجھے فیصلہ کر اور پھر فوراً اس پر عمل پیرا ہو جاتی ہوں۔ اس وقت کا فیصلہ بھی کسی دانشمندی پر مبنی نہ تھا۔ خاں صاحب عموماً مجھے کئی سے پکارا کرتے تھے۔ ان میں ''تاؤلی..... لے بجھ..... ہیجلی'' ان کے پسندیدہ تھے۔ سائرہ کے شوہر وکیل اقبال تھے لیکن میں نے ان سے بھی مشورہ نہ کیا۔

میں نے فوراً چار مزدور بلائے۔ جمیلہ ہاشمی کے دو تین کپڑے سادہ سی استعمال کی چند اور چیزیں ڈالیں جمیلہ کو کھاٹ پر لٹا کر مزدوروں کو آرڈر دیا کہ مریضہ کو 479۔این لے چلیں۔ میں چارپائی کے ساتھ ساتھ مارچ کرتی چلی۔

گھر میں برآمدے کے سامنے والا کمرہ جو نانا کے لیے مختص تھا اس میں جمیلہ کو پلنگ پر ڈال دیا گیا۔ کشادہ، ہوادار اور ٹھنڈا تھا۔ قباحت صرف اتنی تھی کہ سڑک پر سے آنے والے ٹریفک کی آوازیں یہاں فراواں ہوتی تھیں۔

شام کو جب خاں صاحب یو ایس آئی ایس سے لوٹے تو میں نے انہیں نانا کے کمرے میں جانے سے دیا۔ وہ صورت حال سے ناواقف تھے۔

''لیکن کیوں مجھے وہاں کچھ چیزیں رکھنا ہیں ذاتی۔''

''وہاں جمیلہ ہاشمی آئی ہوئی ہیں..... بیمار ہیں ان کا علاج کرانا ہے ہومیو پیتھک.....''

پھر میں نے کچھ خوف کے ساتھ کچھ شیخی کے طور پر رام کہانی سنائی۔ خاں صاحب نے لمبی سی سانس لی۔ کی نہ کسی قسم کی لعن طعن..... بس چپ ہو گئے۔

...ایک اور بات ضرور ہوئی۔ بچوں کا لمبی ٹرین کا کھیل بھی بند ہو گیا کیونکہ اب انہیں بیمار کے کمرے میں ...ت نہ تھی.....

...رے گھر میں نہایت سادہ کھانا پکتا تھا۔ پھل وغیرہ آتے ضرور تھے لیکن وہ بھی کبھی کبھار۔ اگر خاں صاحب کو ...ے کا موقع مل جاتا تو پھر پھل میں افراط نظر آتی۔ ان دنوں دو موریہ پل کے قریب سبزی اور پھل کی منڈی لگا ...۔ ہمیں اتنی دور جانے میں بھی کوئی مشکل درپیش نہ آتی کیونکہ ہم غریبی کے دور سے نکل کر اپنے آپ کو امیر سمجھنے

جمیلہ کے کپڑے دھونے کے لیے اسے دبانے کے لیے وہی مائی آیا کرتی تھی جس کے ہاتھوں میں اینٹھ اور ...وئے تھے۔ بچے چھوٹے تھے۔ گھر کا کام بہت تھا۔ مجھے جمیلہ کے پاس بیٹھ کر گپ بازی کرنے کا وقت کم کم ملتا ...روز میں اس کے لیے گلوکوز کا گلاس بنا کر لے گئی تو جمیلہ بولی۔

''تھوڑی دیر تو تم کر بیٹھ جایا کرو قدسیہ۔''

میں حکم کی تعمیل میں بیٹھ گئی۔

''یہ کھانا کون پکاتا ہے بڑا معمولی درجے کا کھانا پکاتا ہے۔''

میں کچھ شرمندہ ہو کر بولی..... ''کھانا تو خیر میں ہی پکاتی ہوں جمیلہ.....''

''میرا یہ مطلب نہیں کہ کھانا خراب پکا ہوتا ہے۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں انہیں طاقت ور خوراک .....''

''مثلاً.....''

''مثلاً گوشت، مرغی، قیمہ..... مکھن، دہی.....''

''وہ بھی پکتا ہے لیکن اینٹھ اور انیس سبزیاں ہی پسند کرتے ہیں۔ خاں صاحب کو دال پسند ہے اور خاص کر کالی ...یہ..... اثیر خاں ابھی دودھ پیتا ہے۔''

''ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔''

''تم کسی کی فکر نہ کرو جمیلہ میرے ساتھ فورمن کرسچین ہسپتال چلو..... وہاں ایک بڑی قابل لیڈی ڈاکٹر آئی ہے ...لاج کرواؤ.....''

''پھر وہی بات..... جس طرح میں تیری منطق نہیں سمجھتی تو میری بات نہیں جانتی۔ وہ پکڑ کر آپریشن کر دے ...یہ ہومیو پیتھک علاج مجھے راس آ رہا ہے۔ خدا کی قسم اب تو لگتا ہے مجھے کچھ ہوا ہی نہیں۔''

واقعی لگتا تھا جیسے جمیلہ پوری تندرست ہو گئی تھی۔

جب چودھری سردار محمد جمیلہ کو لے کر گاؤں گئے تو میں حیران تھی کہ اتنے غلط فیصلے کا اس قدر مثبت نتیجہ کیسے نکل

خاں صاحب کو جانوروں سے بڑی محبت تھی۔ یہ جملہ بڑا بے معنی سا لگتا ہے جیسے کوئی آٹھویں جماعت کی لڑکی

فون پر آپ سے کہے کہ مجھے اپنی امی سے بڑا پیار ہے لیکن کبھی کبھی کلیشے کے جملے بڑے سچے بھی ہوا کرتے ہیں۔ جب عہد گزر جاتا ہے تو اس سے مستعار لی ہوئی اقدار بھی ماضی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ آج ساری دنیا میں صنعتی ترقی کے زیر بول بالا ہے۔ دیہات' دیہاتی رسم و رواج' دیہات سے وابستہ اقدار سب رول بیک کر رہے ہیں۔ وہ جو ساری دنیا پینا مہیا کرتے ہیں' پینڈو کہلائے جانے پر احساسِ کمتری میں مبتلا رہتے ہیں۔ شہری مہذب آدمی جب جانور سے محبت ہے تو کتے کے گلے میں پٹکا اور چین ڈالتا ہے۔ بلی کو پنجرے میں بند رکھتا ہے۔ سیزن آنے پر بلی کو ٹیکا لگوا کر اسے بانجھ کرنا پڑتا ہے۔ طوطا ہے تو پنجرے میں۔ مجبوری سر خا ہے۔ بلبلیں ہیں تو پنجرے میں۔ شہر میں ہر چیز کو قید کر کے جاتی ہے۔

لیکن دیہاتی لوگوں کی زندگی کھیت' باڑے' آنگن میں گزرتی ہے جہاں ریوڑ' گھوڑے' کتے' بلیاں' مرغیاں' گائے بھینسیں سب ماحول کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ تصویر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک راستوں پر جوہڑ میں بطخیں' چھتوں پر کبوتر' گھونسلوں سے چڑیا کے بوٹ نہ گریں۔ بچپن سے بچے جانوروں سے مانوس ہیں۔ نہ انہیں کسی جانور سے خوف آتا ہے نہ وہ کسی Pet سے زبردستی پیار کرتے نظر آتے ہیں۔ دیہاتی گاجر' گنے' بیر کھاتے کئی کئی میل کا پینڈا طے کر لیتے ہیں۔ انہیں کسی ڈاکٹر سے کچی سلاد کا نسخہ لکھوانا نہیں پڑتا۔ وہ طبعاً بڑے انداز میں جہاں جو چیز کچی نظر آئے منہ مارنے لگتے ہیں۔ چنے ابھی مشکل سے جھاڑیوں پر لگتے ہیں تو کچا چھولیا "ہولیں" بنالی جاتی ہیں۔ امبی ہری ہو تو اچار بن جاتا' چٹنی تیار ہو جاتی ہے۔ رس نکل سکے تو آم رس بننے لگتا ہے۔

صنعتی انقلاب نے جہاں زرعی طرز بود و باش گنوا کر (اب اس کی تلاش بے معنی اور بے منزل ہے) از سرِ نو اس کی تلاش شروع کر دی ہے۔ وہیں وہ اس دین سے بھی بچھڑ گیا ہے جس کی پالنا دیہات میں آ کر خان صاحب کو جانوروں سے فیشنی سی محبت نہ تھی۔ وہ گھوڑے' بھینسیں' کتے' مرغی' بلی' بچھڑے کے چکے تھے اور اس محبت میں مصنوعی پن نام کو نہ تھا۔

ان دنوں اثیر خاں بیمار تھا۔ اسے دودھ کی الرجی ہو گئی تھی۔ بھینس کا دودھ اسے ہضم نہ ہوتا۔ زبان پر سی جم جاتی۔ کبھی کبھی قے کا عارضہ بھی ہو جاتا۔ سمن آباد کے بازار میں ہومیوپیتھک ڈاکٹر فاروقی سے ہم بچوں دوائیں لایا کرتے تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ہم اثیر خاں کو بکری کا دودھ پلایا کریں۔

ان دنوں جمیلہ ہاشمی ہمارے گھر میں مقیم تھیں۔ جب وہ اپنے گاؤں واپس جانے لگیں تو خان صاحب سے صاحب سے فرمائش کی کہ اگر وہ کوئی گابھن بکری بھجوا سکیں تو ہم یہ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ کچھ وقت کے بعد بکری آ گئی۔ مکمل طور پر شہری تھی۔ مجھے کتوں کا تو پھر بھی کچھ تجربہ تھا لیکن بکری سے میں نامانوس تھی۔ مجھے اس کے چارے سے گھن اور شکل سے بیزاری ہوتی تھی۔ لیکن میں نے اثیر خاں کی خاطر اس کی ٹہل سیوا برداشت کی۔

سمن آباد کے اندرونی غسل خانے میں کالے پیروں والی سفید گابھن بکری کو باندھا جاتا۔ خاں صاحب آ جاتے تو بکری کو آنگن میں اُگے ہوئے دھریک کے نیچے لے آتے۔ محمد علی بکری کے لیے چارہ چھٹے لاتا۔ خاں صاحب خود اسے بڑے پریم سے دانہ پھٹے کھلاتے۔ میں ایک فاصلے سے ان کا شغل دیکھتی اور سوچتی کہ کیا انہیں بکری سے

...ے بھینچے ہوئے کھلے منہ سے خوف نہیں آتا۔ جس روز بکری نے بچے دیئے، یہ بھی عجیب سا دن تھا۔ ہمارے ...ے صحن میں ایک غسلخانہ تھا، جس کے ساتھ اوپر جانے والی سیڑھیاں تھیں۔ خاں صاحب صبح بکری بیگم کو اس غسلخانے ...ے پیچھے ڈال کر چلے گئے۔ مجھے سمجھا گئے کہ بکری بچہ دینے والی ہے کبھی کبھی دیکھ لینا۔ اب گھر پر بچوں کے علاوہ ...یہ نہ تھا۔ میرے پاس ان دنوں کوئی ملازم بھی نہ تھا جس سے میں مشورہ کر سکتی۔ ماما بھی زمینوں پر گئی ہوئی تھیں۔ محمد ...بھی "داستان گو" کے دفتر جا چکا تھا۔

میں بہت نروس تھی۔

جب میں نے سمجھا کہ اب وقت کم ہے اور کچھ کرنا چاہیے تو میں گھر کی گلی میں سے باہر نکلی۔ سنا ہے جاہلوں کی ...ے اللہ فرشتے بھیجتا ہے۔ اس وقت اثیر خاں میری گود میں تھا۔ گھر کے آگے سے ڈونگی گراؤنڈ کا ایک مالی گزرا۔ یہ ...بھی کبھی پھولوں کا گلدستہ بنا سجا کر خاں صاحب کی خدمت میں دے جایا کرتا۔ میں نے اسے بلایا تو اس نے اپنی ...ٹوکری گلی میں رکھ دی اور پوچھا۔

"بی بی جی..... کیا حکم ہے؟"

مجھے اسے سمجھانا تو نہ آیا لیکن میں اسے اپنے ساتھ ساتھ گلی میں لائی۔ دروازہ کھولا تو بکری بلبلا رہی تھی۔ اس کی ...آواز سن کر شاید وہ خود ہی سمجھ گیا۔ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ مجھے تو نہ اسے کچھ بتانے کی ضرورت پیش آئی نہ اس نے کوئی ...سوال جواب ہی کیا۔ کچھ دیر بعد وہ باہر نکلا اور بولا: "مبارک ہو بی بی جی ایک بچہ تو مرا ہوا تھا، دوسرا لیلا دودھ پی رہا ہے۔"

اس وقت محمد علی سکول سے انیق اور انیس کو لے کر آیا۔ گھر میں رونقیں ہو گئیں۔ خاں صاحب کو "لیل و نہار" کے ...دفتر میں فون کیا کہ گھر میں اضافہ ہو گیا ہے۔ وہ اپنے ہو پر سائیکل پر کچھ دیر بعد پہنچ گئے۔ اب بکری کا ٹھکانہ یہی غسلخانہ ...تھا۔ اس کی دیکھ ریکھ خاں صاحب اور محمد علی کرتے تھے لیکن اثیر خاں نے اپنی شہری والدہ کی طرح بکری کا دودھ بھی قبول نہ ...کیا اور اس طرح اسے Cow & Gate کا خشک دودھ ہی پلانا پڑا۔ شہری بچے عموماً سوکھے دودھ اور بوتلوں پر ہی پلا ...کرتے ہیں۔ گھر سے بکری اور لیلا بھی رخصت ہو گئے۔ خاں صاحب کچھ دن کبھی درخت تلے، کبھی غسلخانے کے آگے ...کبھی اندر والی سیڑھیوں کی طرف جا کر کھڑے رہتے جیسے کچھ یاد کرتے ہوں۔ اپنی بے وفائی کا احساس اور بکری کا اس گھر ...میں رہنے کا جواز ہولے ہولے روزمرہ کے حوالے ہو گیا اور مسائل جنم لینے لگے۔ مختلف راحتیں شکل دکھانے لگیں اور خاں ...صاحب نے اس بکری کا پھر کبھی ذکر نہ کیا جسے وہ بڑے پیار سے تھپتھپایا کرتے تھے اور ہاتھ سے پتے کھلایا کرتے تھے۔ وہ ...جانتے تھے کہ شہری زندگی ایسی محبتوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہاں جانور کو پنجرے میں بند، پٹے رسی میں قید، ڈسپلن کے کھونٹے ...سے باندھ کر ہی رکھا جا سکتا ہے۔

اثیر خاں سوکھا دودھ شوق سے پینے لگے۔ ان کی بوتل Sterilize کرنا پڑتی۔ دودھ ابلے پانی میں بنانا ہوتا۔ ...اس دودھ کے کئی منتر اور شرائط تھیں۔ بکری کے لیے کچھ بھی کرنا نہ پڑتا تھا۔ نہ میں نے اسے باندھا نہ کبھی دانہ چارہ دیا لیکن ...جب بکری محمد علی کو عنایت کر دی گئی تو میرے سر سے ایک بوجھ اتر گیا۔ مجھے اب گھر سے بو نہیں آتی تھی۔ غسلخانے صاف ...ستھرے ہو گئے تھے۔ مجھے یوں لگتا جیسے کوئی نحوست ختم ہو گئی۔ بکری غریب رشتہ دار تھی۔ رخصت ہوئی تو اطمینان ملا۔ نادار

رشتہ دار روٹیاں بھی پکا تا ہے۔ جھاڑ پونچھ صفائی ستھرائی بھی دیکھتا ہے۔ کپڑے دھونے میں بھی کوئی عار نہیں۔ ٹانگیں پنکھا جھلنے میں بھی اپنی عزت محسوس کرتا ہے۔ اس کے برعکس امیر صاحب حیثیت رشتہ دار پانی کا گلاس بھی خود لا کر نہ سکتا۔ وہ آپ کی آراء پر ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ آپ چاہے پی ایچ۔ ڈی ہوں چاہے امریکہ پلٹ سپیشلسٹ وہ آپ علم کم جانکار اور سوسائٹی کا ناکارہ پرزہ سمجھتا ہے جو اپنی جہالت کی وجہ سے زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا ہے۔ میں سے چھٹکارا حاصل کر کے بڑی پرسن تھی۔ اب میرے پاس خشک دودھ اور اس کی کہانی تھی۔ اس کے استعمال نے مجھے طرح سے سربلند بھی کرنے میں مدد دی تھی۔

نیکین خان صاحب دیر تک بکری کے بغیر خوش نہ رہ سکے۔ ایک دن ان کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا سائیکل کے اوپر ایک لمبا سا ڈبہ دھرا تھا جس پر ہوائی جہاز کی تصویر بنی تھی۔ یہ "نیل ونہار" کی ایڈیٹری کا زمانہ تھا صاحب کے پاس ہوپر سائیکل تھی جسے ان کا آفس بوائے عبداللہ جان یوں صاف کرتا جیسے وہ کوئی بی ایم ڈبلیو یا مر ہو۔ پنجرہ گھر کے آنگن میں کھلنے والے برآمدے میں رکھا گیا۔ دوسرا ڈبہ خان صاحب کی لائبریری میں رکھ دیا پنجرے میں سرخے تھے۔ انیق انیس اور اثیر تھکتے کھسکاتے پاس آ گئے۔ پنجرے کے اندر چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں اور پانی ڈالا گیا۔

میرے تینوں بچوں میں سے انیس احمد خاں میں جانوروں سے موروثی محبت زیادہ ہے۔ وہ بڑی دیر تک پرندے اور جانوروں کی صحبت میں رہ سکتا ہے۔ انہیں شغف اور دلچسپی سے دیکھ سکتا ہے۔ ان کی خدمت میں راحت ملتی ہے۔ وہ جانوروں کے ساتھ رہ کر اپنی ازلی معصومیت کے ساتھ ساتھ خوش رہتا ہے۔ سرخے بھی ملکیت بن گئے۔

وہ پنجرے کے پاس بیٹھ کر ان کی چھوٹی چھوٹی ادائیں دیکھتا۔ تر کیوں جیسے نرم و نازک ہاتھوں سے انھیں ڈالتا۔ کبھی کبھی پھر پھر کر کے اڑاتا۔ انیق خاں ایسے میں اسے منع کرتا کہ مداخلت ہے۔ طبیعتوں کے جوہر بچپن ہی واضح ہونے لگتے ہیں۔ انیق خاں شائستہ رو شائستہ مزاج کسی کو زبردستی اڑانے یا بٹھانے کا قائل نہ تھا۔

اثیر نے ان دنوں تھوڑا سا دوڑنا سیکھ لیا تھا۔ جب بھی دونوں بڑے بھائی پچھلے برآمدے میں سرخا پارٹی کر وہ بھاگ کر آ تو جاتا لیکن اس کے لبوں پر ایک ہی تکرار ہوتی "ٹیپ کارڈر لینا....." وہ ہمیشہ سے مشینوں کا شوقین تھا موم بتی بھی مشین لگتی تھی۔ اگر کبھی بجلی چلی جاتی اور موم بتی جلانا پڑتی تو وہ بھاگا آتا "باتی لینا.... موم باتی لینا" اس کے لبوں پر گیت کے مکھڑے کی طرح جاری رہتا۔

ہمارے گھر کے آگے دونوں جانب گراؤنڈیں تھیں۔ ایک ڈونگی گراؤنڈ تھی جس کے قریب صوفی صاحب کا گھر تھا اور جہاں خاں صاحب صوفی صاحب سے ملنے جایا کرتے تھے۔ دوسری گراؤنڈ سے گزر کر بازار آ جاتا تھا میں ہومیو پیتھک ڈاکٹر کا کلینک تھا۔ ایک روز جب ہم وہاں پہنچے تو خاں صاحب نے کہا..... "ڈاکٹر صاحب! مجھے کی طبیعت پھر ٹھیک نہیں لگتی۔ دودھ تو وہ اب ڈبے کا پیتا ہے لیکن اس کی زبان صاف نہیں جیسے کچھ سفید چمٹا ہو آنکھیں بھی دھندلی ہیں۔"

میں نے ان دونوں باتوں کا نوٹس نہ لیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب تھوڑے تھوڑے مافوق الفطرت اشاروں کے آدمی بھی تھے۔

کہنے لگے..... ''کوئی پرندہ ورندہ تو نہیں پال رکھا؟''

''چھ سات سرخے ہیں۔ بڑی رونق لگا رکھی ہے۔ بچے انہیں باجرہ ڈال کر خوش ہوتے ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب خاموشی سے پڑیاں بناتے رہے۔ ساتھ ساتھ کچھ ہوں ہاں کا شغل بھی جاری رہا۔

''یہ پڑیاں ہر چار گھنٹے بعد..... اور اگر آپ برا نہ مانیں خان صاحب! پرندے آزاد کر دیں۔ آپ کے بیٹے کو ...وی مل جائے گی.....''

جس روز خاں صاحب نے سرخے آزاد کیے' وہ ڈبہ جس پر ہوائی جہاز کی تصویر تھی' لائبریری منگوایا گیا۔ یہ ایک ...بھی سی تار اور بیٹری سے اڑتا تھا۔ اس کا ڈیزائن سامنے رکھ کر جوڑا گیا۔ خاں صاحب میں جو بچہ تھا' اس نے ...سے اپنے بچوں کی چھیڑ چھاڑ سے بچا کر کھانے کے کمرے کی میز پر ماسٹر پلان بچھا کر جوڑا۔ بیٹری لگائی۔ ...کیلے چھت پر گئے۔ جب ہوائی جہاز کی اڑان تسلی بخش ہوگئی تو وہ بچوں کو اپنے ساتھ اوپر لے گئے۔

ہوا میں اڑ جانے والے سرخے گویا اپنا نعم البدل چھوڑ گئے۔

...ب ساری توجہ اس ہوائی جہاز پر تھی جو غالباً لاہور میں اپنی نوعیت کا پہلا کھلونا تھا۔

عجیب سی بات ہے سرخے اڑ جانے کے بعد اثیر خاں کی زبان بھی صاف ہوگئی اور باقاعدگی سے اپنے بھائیوں ...ی بھینس کا دودھ پینے لگا لیکن اس کی ایک خواہش سر نہ پڑتی۔ اب بھی جب وہ کمروں میں بھاگتا..... ایک ہی ...پ کارڈ لینا..... موم بتی لینا.....''

موم بتی تو آسان کام تھا۔ ریکارڈر دینا ابھی میرے بس کی بات نہ تھی کیونکہ یورپلکو ٹیپ ابھی گھر میں نووارد تھا ...یں صاحب سینت سینت کر رکھتے اور بڑی کنجوسی سے استعمال کرتے۔ انیس خاں نے اسے البتہ چلانا سیکھ لیا تھا ...کی ابو کی غیر موجودگی میں جب وہ اسے چلا لیتا تو اثیر کا وہی لہجہ ہوتا.....'' اسے مت چلاؤ کیسی..... ابو ناراض ہوں

اس بیماری سے نجات تو مل گئی' لیکن ہمیں معلوم نہ تھا کہ بیماریاں عموماً اپنے چنگے پوتے انسانی جسم میں بطور ...جایا کرتی تھیں۔ لیکن ابھی کچھ دیر کے لیے عافیت رہی۔ پھر انیس بیمار پڑ گیا اور اسی سلسلے میں نہ جانے کہاں سے ...ب ڈاکٹر ظہیر کو پکڑ کر لے آئے۔

کنہیا روپی ڈاکٹر ظہیر ہمارے گھر میں بڑی راحتیں لے کر آئے۔ وہ نہ صرف معالج تھے بلکہ نفسیات داں بھی ...ج کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے خوف بھی دور کرتے اور ہمیں تسلی بھی دیا کرتے۔ ایک رات انیس کو بہت تیز بخار تھا۔ ...ب اپنے گھر نہ گئے بلکہ ہم دونوں کے ساتھ انیس کے پلنگ کے ساتھ جڑ کر بیٹھ رہے۔ رات گئے انیس میری گود ...تھا کہ اثیر آدھی رات کی فیڈ کے لیے جاگ گیا۔ ظہیر بولے.....''خاں صاحب! اثیر کے لیے فیڈ بنا لائیں۔ انیس ...ضطرب کرنا ٹھیک نہیں۔''

"بھائی میں نے تو کبھی دودھ نہیں بنایا۔"

پہلے ڈاکٹر صاحب نے سمجھانا چاہا کہ ڈبے کے دودھ کا فارمولا اس کے اوپر لکھا ہوتا ہے۔ اسے پڑھ کر لیکن پھر ڈاکٹر اٹھ کر باہر چلے گئے..... کچھ دیر بعد واپس لوٹے تو ان کے ہاتھ میں دودھ کی بوتل تھی.....

"آپ مجھے ساتھ لے چلتے ظہیر۔"

"ناں جی اصل کام تو کیا پڑا تھا۔ بوتل sterilize کرنا پڑتی تو وقت لگتا..... وہ تو تیار لائن میں پڑی ہیں۔"

انیس کا بخار صبح سویرے ٹوٹ گیا۔ ہم دونوں سراپا تشکر تھے۔

"اسے دوائی کونسی پلائی تھی ڈاکٹر صاحب۔ اتنے دنوں سے مسلسل بخار..... ٹوٹ ہی نہیں رہا تھا۔"

"کچھ نہیں سر! ایک گولی اسپرو..... یہ بڑی زود اثر ہے۔ جب کبھی بڑی دوائیاں کام نہ دیں اسے آز چاہیے۔"

یہاں سے ڈاکٹر اور خاں صاحب کی دوستی شروع ہوئی۔ ان کا کلینک موہنی روڈ پر تھا اور وہ زیادہ تر مریض مفت علاج کرتے تھے۔ ہمارے بھی وہ فیملی ڈاکٹر بن گئے۔

ابھی ہمارے پاس گاڑی نہیں تھی۔ ہوپر کی جگہ اب Lambretta سکوٹر آ گئی تھی جسے خاں صاحب خوش چلاتے تھے گویا مرسیڈیز ہو۔ بڑا اچھا موسم تھا' نہ سردی نہ گرمی' بچے بگڑے تھے' ہم دونوں یو ایس آئی ایس سے واپ اس لیے راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ ایک شام خاں صاحب آئے' کچھ متفکر تھے۔

"کیا بات ہے شفو جی؟"

"وہ..... یامنی کرشنا مورتی آ رہی ہیں۔"

"کون؟"

"کیرالہ کی بہت بڑی فنکار ہیں۔ وہ لارنس باغ کے اوپر تھیٹر میں بھارت ناٹیم اور کتھک کلاسیکی ناچ کریں گی۔ میری آرزو تھی کہ تمہیں اس کا شو دکھلاتا..... تم شادی سے پہلے ناچ سیکھا کرتی تھیں ناں....."

"ہاں جی ایک استاد صاحب آیا کرتے نادھی دھنا تدھی دھنا سکھایا کرتے۔ کچھ کلاسیکی بول تو مجھے یاد ہیں۔ لیکن میرا سیکھنا سکھانا کچھ دیر کے بعد آپ ہی بند گلی میں جا گھستا ہے۔ آپ کو پتہ ہے ناں کچھ دیر میں سیکھا تھا۔"

"اچھا پچھلی باتیں چھوڑو۔ جانا چاہو گی؟"

"اس سے بہتر خوش اوقاتی اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"لیکن بچوں کا کیا کریں..... کس کے پاس چھوڑیں؟"

"نانا آج ہی آئی ہیں۔ اندر بچوں کے ساتھ لوڈو کھیل رہی ہیں۔"

"لو جی مسئلہ حل ہو گیا۔ دو ٹکٹیں تیار کرلو۔"

یامنی کرشنا مورتی نے اپنے ناچ سے سب کو مبہوت کر دیا۔ ایک ناچ تو خاص طور پر یادگار تھا۔ اس نے ایک

...کا روپ دکھایا جو مہاراج کرشن کی عبادت کرنے جاتی ہے اور کیسے اپنے آپ کو اپنے ہار سنگھار کو لمحہ بھر کے لیے ... ایک ایک ایکشن تکبر، شیخی اور خودنمائی تھی۔ سارا اوپن ایئر تالیوں سے گونج اٹھا۔

مجھے اور خاں صاحب کو کسی مہربان نے بالکل سامنے والی قطار میں بٹھا دیا تھا۔ جونہی پروگرام ختم ہوا ہم بڑی ... بھیڑ میں پھنسے بغیر باہر نکل آئے..... باہر ہمیں ظہیر اپنی کار میں منتظر ملا۔

"تو آپ کو بھی شوق ہے کلاسیکی ڈانس کا....."

"نہیں خاں صاحب! میں گھر گیا تھا۔ امی نے بتایا آپ دونوں یہاں آئے ہیں۔ میں تو آپ کو لفٹ دینے آیا

"ہم سکوٹر پر چلے جائیں گے ڈاکٹر صاحب....."

"... صاحب! سکوٹر پر آ جائیں آپ میرے ساتھ چلیں۔" انہوں نے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھنے کی ... سارے راستے ایک ٹرینڈ ڈرائیور کی طرح خاموش رہے۔

"... و نہار" کے ساتھ ساتھ خاں صاحب ریڈیو پاکستان سے 1963ء سے وابستہ ہو گئے جہاں وہ تلقین شاہ ... تے لیکن تلقین شاہ پروگرام کرنے کی ایک وجہ ہو گئی۔ خاں صاحب یو آئی ایس پر V.O.A. (وائس آف ... کے لیے پروگرام کرتے تھے۔ یہاں انہیں مارلاک ملا جو V.O.A. پروگرام کا کرتا دھرتا تھا۔ ایک مرتبہ خاں ... ایک پروگرام لکھا جس میں تلقین شاہ کا کیریکٹر ڈالا۔ اس کے پانچ رول تھے اور پانچ مختلف لب ولہجہ کے ساتھ ... نے یہ رول ادا کیے۔ مارلاک اردو، پنجابی یا سمانہ کی بولی تو نہیں جانتا تھا، لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ... کرنے والے خواجہ سلیم اور چند دوسرے لوگ جو سٹوڈیو میں موجود تھے اس پروگرام سے بہت محظوظ ہوئے۔ ... امریکہ سے بھی آنے لگی اور اسے کئی بار لگایا گیا۔ ایک روز مارلاک نے خاں صاحب سے امریکن انگریزی

"اشفاق! تم ایک کام کیوں نہیں کرتے؟"

"تو پہلے کیا میں کم کام کرتا ہوں..... جو ایک اور بھی کر لوں؟"

"ایک پروگرام کرو ریڈیو پاکستان سے..... کئی پروگرام کرنے کے بجائے ایک پروگرام۔ خدا جانتا ہے یہ اتنا ... ہوگا کہ لوگ تمہیں اسی پروگرام کے حوالے سے یاد کریں گے۔ ایسا کردار پیش کرو جو بڑا Lovable ہو لیکن ... روں کو نصیحت کرے اور اپنے پر کسی قسم کی پابندی نہ لگائے۔"

مارلاک تو ماچس جلا کر خاموش ہو گیا لیکن خاں صاحب کی تخلیقی لکڑی میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے ترنت تلقین ... گھڑ لیا۔ پھر اس کی کمینگی کو ابھارنے کے لیے ہدایت اللہ کو جنم دیا۔ ریڈیو سٹیشن سے انہیں بھائی نذیر حسینی مل گئے ... ہدایت اللہ کے روپ میں امر ہو گئے۔

میں آپ سے عرض کر چکی ہوں کہ جب اللہ اچھے دنوں کی دستک دیتا ہے تو پھر وہ آپ کو وہ تقویت اور توانائی ... کر دیتا ہے جس کی مہربانی سے آپ ہمت طاقت سے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بڑی استقامت سے

سارے کام بڑی کامیابی اور خود اعتمادی سے کرتے چلے جاتے ہیں۔ شرط صرف ایک ہے کہ اوپر والے کو آپ کی بہتری مطلوب ہو۔ سب سے بڑی امدادِ غیبی ہے کہ آپ کی تجویز، عمل اور فیصلہ مثبت نتائج مرتب کرنے لگتا ہے۔

تلقین شاہ آناً فاناً مشہور ہو گیا اور لوگ پروگرام کو شیڈول بنا کر دیکھنے لگے۔ جس قدر شہرت تلقین شاہ کو ملی تھی ایسی ہر دلعزیزی ہدایت اللہ کے نصیب میں بھی تھی۔ وہ جب بھی گھر آتے ان کے ساتھ خاں صاحب کے لیے سانجھی پان ضرور لاتے۔ تلقین شاہ 39 سال چلا ماسوائے دو سال کے جب بے نظیر بھٹو آئی تو اسے دو سال کے لیے بند کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ دو سال کے لیے انہیں اردو سائنس بورڈ سے بھی ہٹا دیا گیا لیکن نذیر حسینی کے کردار میں نہ پروگرام میں کوئی تبدیلی آئی نہ ان کے رویے میں ہی۔ وہ پہلے دن سے لے کر آخری پروگرام تک شاہ جی کے مؤدب جاں نثار رہے۔ شروع میں اس پروگرام میں رقیہ کا کردار ابوالاثر حفیظ جالندھری کی دوسری بیوی خورشید بیگم کیا کرتی تھیں۔ دوسرے کئی کردار آئے اور چلے گئے۔ عائشہ تسلیم ایک مدت اور مرتضیٰ برلاس کی بیگم فریدہ نے کافی دیر اس میں رول کیا۔ ریاض محمود صاحبزادہ صاحب کے روپ میں اس پروگرام میں شمولیت کرتے رہے لیکن ہدایت اللہ اور تلقین شاہ ہمیشہ رہے۔ اب تو اس پروگرام کو "گینز بک" میں بھی تیسرے مقام پر جگہ مل گئی ہے کہ پاکستان میں اتنی دیر تک اور ان کرداروں کو مرکز بنا کر کوئی پروگرام نہیں چلا۔

خاں صاحب کی عادت تھی کہ جب بھی وہ کوئی کام کرتے مجھے اس میں شرکت کی دعوت ضرور دیتے۔ میں نے بھی کچھ عرصہ تلقین شاہ میں کام کیا لیکن میں یہ کام نبھا نہ سکی۔ ریڈیو سے قدیر ملک اس پروگرام کی ریکارڈنگ برسوں کرتے رہے۔ پھر جب ہمارا گھر داستان سرائے میں بن گیا تو خاں صاحب نے اوپر والی منزل پر ریکارڈنگ روم اور سٹوڈیو بنا لیا۔ انیس ایم بی اے کی تیاری کر رہے تھے لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے ریکارڈنگ کی ساری ذمہ داری اٹھالی۔ انیس کی ایک عجیب بات ہے کہ وہ جس شخص سے محبت کرتا ہے اس کے کام آنے کی کوشش کرتا ہے۔ انیس بیٹے کو باپ سے محبت تھی۔ اس نے ریکارڈنگ ہی نہیں کی بلکہ تلقین شاہ کے تمام اکاؤنٹ، اکاؤنٹ کی پےمنٹ کی رسیدیں اور ایک رجسٹر maintain کیا۔ وہ ہر تلقین شاہ کی تاریخ، سال، وقت تو نوٹ کرتا ہی تھا، لیکن اس رجسٹر میں ہر پروگرام کی پہلی اور آخری سطر بھی لکھتا۔ اب میں حیران ہوتی ہوں کہ نہ جانے کیسے وہ سارا حساب کتاب لے کر اور صداکاروں کی رسیدیں ترتیب وار لے کر ٹیکس والوں کے دفتر بھی جاتا رہا اور ٹیکس کے ضمن میں خاں صاحب کو کبھی کوئی زحمت نہ اٹھانی پڑی۔

جب پی آئی اے میں ملازم ہو کر انیس کراچی چلا گیا تو پھر اثیر نے ریکارڈنگ شروع کر دی۔ اثیر طبعاً مشینوں کے قریب ہے۔ اسے مشین دکھا دیں تو وہ اس کی کارکردگی کو بآسانی سمجھ جاتا ہے۔ اکاؤنٹ اور رجسٹر تو اس کے بس کی بات نہ تھی، گو وہ مارے باندھے یہ بھی نپٹاتا تھا۔ لیکن پہلی ریکارڈنگ سے لے کر آخری ریکارڈنگ تک خاں صاحب کو کبھی شکایت کا موقع نہ ملا۔

اثیر خاں کی شادی کے بعد رفیق میاں ہمارے ساؤنڈ انجینئر بنے۔ وہ باقاعدہ اور باضابطہ طور پر اردو سائنس بورڈ میں ملازم تھے لیکن شام کو ہمارے پاس آ کر کام کرتے تھے۔ ساری مشینوں کی دیکھ ریکھ، بڑی ریلوں پر ان کی ٹیپوں کی گنتی شمار، سکرپٹوں کو اہتمام سے رکھنا رفیق احمد کا معمول تھا۔ البتہ انیس کی طرح اکاؤنٹ نہ رکھے جا سکے جس کے

[illegible] نے اپنی خدمات حاضر کر دیں۔ اب کاسٹ کے چیک اور رسیدیں میں بناتی تھی۔ ٹیکس کے لیے ایک وکیل مقرر [illegible] جو سال بہ سال ٹیکس لگوانے کے لیے پیش ہوا کرتے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک خاں صاحب [illegible] سے بے وفائی نہیں کر گئے۔

اب یہ سارے اکاؤنٹ' رجسٹر غرضیکہ تلقین شاہ کی ہسٹری ''دبستان شہابیہ'' لوک ورثہ اسلام آباد میں محفوظ ہے۔ [illegible] تحقیق اور تجسس کے نرغے میں رہتے ہیں' وہاں جا کر تحقیق کر سکتے ہیں۔

ہر پروگرام کے دو حصے ہوا کرتے ہیں۔ ایک وہ حصہ جو Product کی شکل میں قارئین' سامعین اور ناظرین [illegible] ہے۔ دوسرا حصہ وہ تیاری کے مرحلے ہوا کرتے ہیں' جس میں سکرپٹ' کاسٹ' سٹوڈیو' کیمرے' تکنیکی سٹاف' [illegible] جانے کی گاڑیاں' مقررہ اوقات کی پابندی عجیب مصیبت ڈالتی ہے لیکن اصلی قباحت انسان اپنی طبعی خصوصیات [illegible] اپنے ذاتی حالات کے پیش نظر اپنے ہمراہ لاتے ہیں۔ یہاں عموماً کئی مجبوریاں باہم ٹکرا جاتی ہیں۔ بڑے [illegible] عموماً خوشامد پسند اور وقت کو اپنے آپ پر لاگو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ لیٹ ہیں تو لازماً سب کو خوشی سے انتظار کرنا چاہیے [illegible] کوئی دوسرا والدہ کے جنازے سے کچھ تاخیر سے پہنچے تو بڑا آرٹسٹ کسی کو بتائے بغیر گھڑی دیکھ کر رخصت ہو جائے تو [illegible] مضائقہ نہیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ بڑا آرٹسٹ جان بوجھ کر بد دماغی یا بد مزاجی اختیار کرتا ہے۔ ہر بڑے آدمی کی زندگی میں ہی [illegible] built-in خرابی ہوتی ہے جیسے کسی کسی نئی مشین میں کبھی کبھی کوئی manufacturing نقص ہوتا ہے۔

عجب اتفاق ہے کہ تلقین شاہ کی ریکارڈنگ میں خاں صاحب کو نہ کاسٹ کی مزاج داریاں اٹھانی پڑیں نہ ٹیکنیکل [illegible] نہیں کرنا پڑیں۔ خاں صاحب ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جو محبت کے پالنے میں پروان چڑھے۔ کچھ [illegible] شاید ان کی خوش نصیبی سے حسد کرتے ہوں لیکن کیا کیا جائے اللہ بعض لوگوں کو بعض دوسروں پر ہر معاملے میں فضیلت [illegible] ہے۔ کیا کیا جائے اگر اس نے مرد کو عورت پر فوقیت عطا کی۔ اب عورتیں اس بات کو غلط ثابت کرنے میں لگی رہتی ہیں [illegible] شاید علم نہیں کہ جہاں فضیلت ہوتی ہے وہاں ذمہ داری بھی تو اسی تناسب سے زیادہ ہوتی ہے۔

ہر مرد اسی فضیلت کے ہاتھوں عورت' گھر بار' اولاد' والدین کا باربردار غلام بن جاتا ہے۔ ہر بڑا آدمی جسے [illegible] عزت' شہرت' سوسائٹی میں اونچا مقام مل جاتا ہے' اس پر معاشرے کو اسی تناسب سے احسن طریق پر بہتر چھوڑ کر [illegible] کی ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے۔ وہ اپنی لائف بوٹ گھاٹ پر نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے ساتھ کئی بجرے' کشتیاں' [illegible] چھوٹے پھٹوں پر سوار لوگ ساتھ ہو جاتے ہیں۔ خاں صاحب بھی ساری زندگی نعمتوں کی وصولی کے بعد بڑے [illegible] روپ میں قرض حسنہ کے طور پر اس بڑائی کی قیمت ادا کرتے رہے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی ذمہ داری ایک باپ کی [illegible] محسوس کیا کرتے تھے اور اس ذمے داری کا کوئی بوجھ محسوس نہ ہوتا۔

یوں کہہ لیجیے کہ 479۔این میں کیریئر کے اعتبار سے خاں صاحب نے کئی معرکے مارے۔ 479۔این ایک [illegible] سے بہت ہی اہم اور Eventful جگہ تھی۔ یہاں خاں کی اہمیت ان کے کام کے اعتبار سے بہت بڑھ گئی۔ 16 اگست [illegible]ء کو انہیں گلڈ کا سیکرٹری بنا دیا گیا۔ یہ گلڈ ادیبوں کے حالات بہتر بنانے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ گلڈ میں کام کرنے